ترجمہ و تلخیص

علم سیاست میں اسلامی علمی سرمایہ

ڈاکٹر عثمان بن جمعۃ ضمیریۃ

مترجم: ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں ندوی

علم سیاست اور سیاسی فکر قدیم علم بھی ہے اور جدید بھی۔ یا قدیم خیال اور قدیم منہج کا جدید علم ہے، اس لیے کہ تمام اقوامِ عالم اور انسانی معاشروں میں سے کوئی بھی ایسے مجموعۂ قوانین سے مستغنی نہیں ہوسکتا جو حاکم و محکوم کے درمیان تعلق کی تنظیم کرے اور لوگوں کے مطلوب 'مدینۂ فاضلۃ' کی بنیاد رکھے، تاکہ ان کو امن و اطمینان نصیب ہو، مظلوم کو انصاف ملے، زیادتی کرنے والے کی زیادتی کا خاتمہ ہو، عدل و انصاف کا قیام ہو اور سماج کے دنیاوی امور کی درستگی اور حسنِ تدبیر و انتظام کی ضرورت پوری ہو۔

سیاسی فکر کے ارتقاء کا مطالعہ کسی بھی محقق کو سیاسی تاریخ کے مراحل میں سے عصر جدید کے آخری مرحلہ کی طرف متوجہ کرتا ہے، جس میں مختلف سیاسی نظام نکھر کر سامنے آئے۔ اس لیے اس مقالہ میں پہلے معاصر سیاسی فکر کے اہم رجحانات اور نکات پر بحث کی جائے گی پھر اسلامی سیاسی فکر کا جائزہ لیا جائے گا۔

عصر جدید میں علم سیاست

سیاسی امور، نظام ہائے حکومت، آزادیاں، حقوق اور ان سے متعلق مسائل وہ نمایاں پہلو ہیں جن کو عصر جدید میں بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ جنگ عظیم اول اور اس کے بعد مقامی معاشروں میں اندرونی اضطرابات اور عالمی و قومی کش مکش جنگ عظیم دوم کا سبب بنیں اور ان کے اثرات سیاسی و اقتصادی میدانوں میں عالمی سطح پر مرتب ہوئے۔ اس وقت انسانیت کو ہلاکت و بربادی کے خطرات سے بچانے کے لیے علماء و مفکرین و مصلحین کے متعدد اسالیب و مناہج سامنے آئے اور علم سیاست پر زیادہ توجہ دی جانے

لگی۔ کچھ لوگوں نے سیاسی نظاموں اور اسالیبِ حکومت کی اصلاح کی مانگ کی، بعض لوگوں نے پُرامن طریقہ سے تنازعات کے حل کے لیے عالمی تعاون کی بات کی، دیگر لوگوں نے حقوق اور آزادیوں کی حفاظت کا مسئلہ اٹھایا۔اس طرح مختلف دستوری نظام اور سیاسی رجحانات ظاہر ہوئے۔

سیاسی نظریہ کا مضمون

علوم سیاست کے مختلف مناہج پائے جاتے ہیں اور سیاست، علم سیاست اور اس کے مضمون و موضوعات میں اس فن کے ماہرین کے مابین شدید اختلافات موجود ہیں۔ بہت سے ماہرین نے یونیسکو(UNESCO) تنظیم کی شائع کردہ علم سیاست اور اس کی تعلیم کی فنّی تالیف پر اعتماد کیا ہے، جس میں حکومت اور نظام حکومت کی تدریس کے لیے درجِ ذیل موضوعات شامل ہیں:

۱- سیاسی نظریہ کا اصول اور گذشتہ صدیوں میں حکومت اور اس کی سرگرمیوں سے متعلق سیاسی افکار کی تاریخ۔

۲- نظامہائے سیاسی: اس علم میں حکومت کے ادارے، جیسے دستور، حکومت، انتظام اور نظام ہائے سیاسی کے مابین موازنہ پڑھایا جاتا ہے۔

۳- سیاسی زندگی: اس میں جماعتیں، گروہ، دباؤ کی لابیاں اور رائے عامہ شامل ہیں۔

۴- بین الاقوامی تعلقات: اس میں عالمی سیاست، بین الاقوامی تنظیم، عالمی قانون اور ان سے متعلق قوانین شامل ہیں۔[۱]

معاصر نظاموں میں مذہب اور ریاست

سیاسی اصلاح کے لیے اہل مغرب نے مختلف نظام اور مناہج اختیار کیے ہیں، لیکن وہ سب اللہ کے دین اور اس کی شریعت سے جدا ہیں۔ یوروپ نے ایک طرف چرچ اور اہل اقتدار کے مابین، دوسری طرف چرچ اور سائنس دانوں کے درمیان طویل و تلخ کش مکش کے بعد اپنی نشأۃ ثانیہ کی بنیاد لامذہبیت ہی پر نہیں، بلکہ مذہب دشمنی پر رکھی۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں جن پر بحث کی یہاں گنجائش نہیں۔ مختصر یہ کہ یوروپ کو اس

مذہب کا بڑا سخت تجربہ ہوا تھا جوان کو اس کے پیروکاروں کے ہاتھوں تحریف شدہ شکل میں پہنچا تھا۔ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں تبدیلی اس وقت ہوئی جب سینٹ پال نے عقیدہ میں تحریف کی، اس کے بعد عقیدہ اور شریعت میں تفریق پیدا کردی گئی۔ اس کی وجہ سے دین، شریعت کے بغیر صرف عقیدہ یا انسان اور اس کے رب کے مابین محض وجدان کی حیثیت سے باقی رہ گیا، جس کا زندگی کے سیاسی، معاشی اور سماجی پہلوؤں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ سب ایک ایسے نعرے کے ساتھ ہوا جس کی اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے دین میں کوئی سند نہیں تھی، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب یہ قول کہ ''قیصر کا حق قیصر کو دو اور اللہ کا حق اللہ کو''، پھر علمائے دین کاہن اور دین کے (پیشہ ور) آدمی بن کر انسان اور اللہ کے درمیان واسطہ (ایجنٹ) میں تبدیل ہوگئے اور ان کو ایسا اقتدار نصیب ہوا کہ عوام پر دست درازی کرنے لگے، چرچ کا اقتدار انسانوں کی ارواح واجسام اور اموال وعقول پر مسلط ہوگیا اور اس نے سائنس دانوں اور ان کی ابھرتی ہوئی علمی تحریک کے خلاف ظالمانہ موقف اختیار کیا۔

دوسری جانب چرچ ان بادشاہوں اور جاگیرداروں کا طرف دار بن گیا جو عوام پر اور اپنے علاقوں پر حکومت کرتے تھے اور ان کو بدترین عذاب دیتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ مذہب اپنی موجودہ صورت میں اور اپنے علم برداروں کے ظالمانہ رویّے کی وجہ سے ظلم و جہالت کی دعوت کے سوا کچھ نہیں ہے اور وہ آزادی وترقی کی راہ کا روڑا ہے۔ اس صورت حال میں فطری طور پر سائنس اور نشأۃ ثانیہ کے علم برداروں اور چرچ اور اس کے نمائندوں کے درمیان طویل کش مکش برپا ہوئی، چرچ اور ظالم و جابر ملوکیت کے خلاف بغاوتیں ہوئیں، جن کا مشہور نعرہ تھا: إشنقوا آخر ملک بأمعاء آخر قسیس (آخری بادشاہ کو آخری پادری کی انتڑیوں سے سولی دے دو) پھر جب یہ بغاوت کامیاب ہوئی تو فطری طور پر اس کے علم برداروں نے ریاست وحکومت اور نشأۃ ثانیہ کی بنیاد اس مذہب اور اس کی نمائندہ شخصیات سے بالکل الگ رکھیں جنھوں نے ان پر ظلم ڈھائے تھے، اس لیے ان کے

درمیان مذہب کو ریاست وحکومت سے الگ رکھنے کا خیال پیدا ہوا[۲]۔ غیر یورپی ممالک بھی اس خیال سے کم وبیش متأثر ہوئے اور انھوں نے اہل یورپ کی پیروی کی۔ کسی نے کم، کسی نے زیادہ۔

مسلم ممالک بھی اس تأثیر وتأثر اور مغربی مفکرین کی تقلید سے آزاد نہیں رہے۔ انھوں نے اگرچہ صلیبی عسکری سامراج سے آزادی حاصل کرلی، لیکن وہ ان کے فکری وسیاسی سامراج سے آزاد نہ ہوسکے، جس کے نتیجہ میں عام زندگی اور نظامِ حکومت وریاست سے شریعت علیٰحدہ کردی گئی اور ان کے دستور وقانون میں صرف اس عبارت پر اکتفا کرلیا گیا کہ: ''ریاست کا سرکاری دین اسلام ہے اور قانون سازی کے مآخذ میں ایک مأخذ شریعت ہے'' جب کہ اس عبارت کا کوئی اثر حقیقی زندگی اور وضع کردہ قوانین میں نہیں پایا جاتا ہے[۳] بلکہ بعض لوگوں نے تو آگے بڑھ کر اسلام میں ریاست وحکومت اور نظام حکومت کی موجودگی کا ہی انکار کردیا اور کچھ دیگر لوگوں نے کہا کہ: ''مذہب میں سیاست کو داخل نہ کیا جائے اور سیاست کو مذہب سے دور رکھا جائے''۔ بعض اہل قلم نے 'سیاسی اسلام' کی اصطلاح وضع کرلی۔ اس سے ان کا مقصد داعیانِ اسلام پر یہ الزام لگانا ہے کہ وہ دین کو سیاست میں داخل کرتے ہیں، جس سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ گویا ان کے نزدیک اسلام دو ہیں: ایک سیاسی اسلام اور دوسرا غیر سیاسی اسلام۔ درحقیقت ان حضرات کے نزدیک مذہب انسانی خواہشات کا دوسرا نام ہے، وہ اللہ کی اتاری ہوئی وحی ہے نہ الٰہی نظام، جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی تنظیم کرتا ہے۔ اس وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی حقیقی صورتِ حال کے درمیان بہت سے پہلوؤں میں سرکاری اور قانونی سطح پر تناقض وتضاد عام ہوگیا اور مذکورہ بالا دستوری عبارت کی حیثیت کاغذ پر درج بے قیمت تحریر کی رہ گئی، بلکہ بسا اوقات غیر اسلامی قوانین کو شرعی جواز عطا کردیا گیا، ضعف وانتشار اور فساد وانحراف اور غیر اللہ کی بندگی عام ہوگئی اور امت کا وہ حال ہوگیا جو ہم سب کے سامنے ہے اور جس کی ہماری تاریخ کے سابق ادوار میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

سیاست واخلاق کے درمیان علیٰحدگی

پھر آج لوگوں کے ذہنوں میں سیاست مکر وفریب، مطلب پرستی، دوسروں کے حقوق پر دست درازی، کم زوروں پر طاقت وروں کے تسلط، چھوٹوں پر بڑوں کے غلبہ کا نام ہوگئی ہے۔ان کے نزدیک انسانی اصولوں اور اخلاقی اقدار کا کوئی وزن نہیں ہے، نہ اس بات اور اس اصول کی عزّت و شرف باقی رہتی ہے جس نے ان کو امت کی قیادت کے منصب پر فائز کیا تھا اور جس کی بنیاد پر امت ان سے ایمان داری کے ساتھ ذمہ داری نباہنے کی امید کرتی ہے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے علماء اور سماجی مصلحین سیاست سے دور بھاگتے ہیں، اس سے نفرت کرتے ہیں اور اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔شاید اس کی وجہ ان رجحانات کا ظہور ہے جو دین و اخلاق سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کو سیاست سے چھین کر مطلق العنان استبدادی نظامِ حکومت کو مضبوط کرتے ہیں جس میں ایک بھائی دوسرے بھائی کا غلام بن جاتا ہے۔

چنانچہ اطالوی فلسفی نیقولا میکاولی (NICCOLO MACHIAVELLI (۱۴۶۹-۱۵۲۷ء) نے اپنی مشہور کتاب THE PRINCE میں حکومت اور اخلاقیات میں عملی طور پر مکمل علیٰحدگی کرکے اخلاقی اصولوں سے سیاست کی آزادی کا اعلان کردیا اور اس نے اپنا یہ نقطۂ نظر عام کیا کہ امورِ سلطنت میں اخلاقی اصولوں کے نفاذ کی کوئی صورت نہیں ہے۔اس نے حکمراں کے لیے یہ جائز قرار دیا کہ وہ عام طور پر رحمت وشفقت اور انسانیت نوازی ودین داری کا مظاہرہ کرے، لیکن اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو وہ اس کے بالکل برعکس عمل کرسکتا ہے۔اس کا مفروضہ تھا کہ انسان کا مزاج مطلب پرستی اور خود پسندی کا ہے، اس لیے اس نے سیاست دانوں کو نصیحت کی کہ عوام پر حکومت کے وقت اسی حقیقت کو اپنے پیش نظر رکھیں۔اس کا خیال تھا کہ انسان اپنی طبیعت کے اعتبار سے شرارت پسند ہے اور عقل مند حکمراں کو اپنی سیاست کی بنیاد اسی نقطہ پر رکھنی چاہیے۔بیرونی سیاست میں میکاولی چھوٹی ریاستوں کے مقابلہ میں بڑی سلطنتوں کی تشکیل کا قائل تھا۔اسی طرح اس کا خیال تھا کہ حکمراں کو اپنے تصرّفات و اعمال میں انسان و حیوان

دونوں کے اسالیب کو جمع کرنا چاہیے۔ اگر حیوانی وسائل کی ضرورت پڑے تو اس کو لومڑی اور شیر کی مثال سامنے رکھنی چاہیے۔ اس کو بیک وقت لومڑی اور شیر بننا چاہیے۔ اگر وہ شیر نہیں ہوگا تو وہ اس جال کو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا جو اس کے لیے نصب کیا جائے گیا اور اگر وہ لومڑی نہ ہوا تو بھیڑیوں سے مقابلہ نہ کرسکے گا، اس لیے اس کو ایک ساتھ لومڑی اور شیر ہونا چاہیے، یہ بھی یاد رہے کہ وسائل کا نہیں بلکہ نتائج کا اعتبار ہوتا ہے، یعنی مقصد کا حصول وسیلہ کے جواز کے لیے کافی ہے۔[۴]

میکاولی کی تعلیمات عام ہوئیں تو ان کو یوروپ نے اپنایا، بادشاہوں اور فوجی قائدین نے انھیں اپنا شعار بنایا، سیاست دانوں کے رجحانات اخلاقی انارکی کی طرف مائل اور جعل وفریب، مکر و سازش کی بنیاد پر قائم ہوئے۔ اس کے نتیجے میں انتہائی ظلم، دھوکہ وسنگ دلی پر مبنی جنگیں برپا ہوئیں، جن میں عورتوں، بوڑھوں، بچوں اور رحم مادر میں پرورش پانے والے جنینوں تک کو انتہائی سفاکی سے قتل کیا گیا، ممالک تباہ وبرباد کیے گئے، زمین میں ہرطرح کا فساد پھیلایا گیا اور قیدیوں کو سخت ترین تکلیفیں دی گئیں، حتّٰی کہ انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

میکاولی کا تو ۱۵۲۷ء میں انتقال ہوگیا، لیکن اس کا مسلک اس کی موت کے تقریباً ایک صدی بعد تک یوروپی ممالک کے حکم رانوں میں رائج رہا، جنھوں نے اعلیٰ اخلاقی قیود وحدود سے آزاد ہوکر میکاولی فلسفہ کا خوش دلی سے استقبال کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مطلب پرستی اور ذاتی منفعت حکومت کا سیاسی شعار ہے۔ اگرچہ بعد میں بعض سیاست دانوں نے میکاولی کے خیالات وافکار کے خلاف جنگ بھی کی، لیکن وہ ازسرِ نو لوٹ کر آج دنیا کے بیش تر ممالک کا مقبولِ عام مذہب بن چکا ہے، چنانچہ آج ہم جو مطلب پرستی، خود غرضی، ظالمانہ تسلّط، دوہرے معیار کی بدولت عالمی سیاسی تعلقات میں انحراف، اعلیٰ اخلاقی اقدار سے محرومی دیکھتے ہیں وہ اسی نقطۂ نظر کے مظاہر ہیں۔[۵]

پھر تھامس ہوبز THOMAS HOBBES (۱۵۸۸-۱۶۷۹ء) آیا، جس نے انگلینڈ میں مذہبی کش مکش کے ساتھ پارلیمنٹ اور بادشاہ کے درمیان سیاسی کشاکش

بھی دیکھی تھی، اس نے LEVIATHAN کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس کا مطلب یہ تھا کہ ریاست نے وحشی جانور بن کر بڑی طاقت حاصل کر لی ہے، اس ریاست میں کوئی انسان دیگر لوگوں سے علیحدہ ہو کر نہیں رہ سکتا، اس لیے ہر انسان دوسرے انسان کا مدّ مقابل (RIVAL) ہے، اس لحاظ سے ہر انسان دوسرے انسان کے لیے بھیڑیا ہے۔ ہوبز کو بھی استبدادی نظامِ حکومت سے زیادہ مناسب کوئی نظام سمجھ میں نہیں آیا، اس لیے کہ بادشاہ ہی مطلق اقتدار کا مالک ہے، جو قوانین جاری کرتا اور ان کو منسوخ کرتا ہے، جب کہ خود ان کا پابند نہیں ہوتا، اس لیے کہ کوئی فرد خود بہ خود تو پابند ہونے سے رہا۔ ہوبز نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ چرچ کے عہدے داروں کو بھی اس صاحب اقتدار (بادشاہ) کے ماتحت کر دیا۔[٦]

جدید زمانوں میں یہ اور اس جیسے دیگر افکار یوروپ میں عام ہوئے۔ بعد میں ان کی کچھ مخالفت بھی ہوئی اور بعض مصلحین نے ان کے خلاف خطرہ کی گھنٹی بجائی اور بسا اوقات ان پر سخت حملے بھی کیے، لیکن عملی دنیا میں لوگ انہی اصولوں کو اپنا رہ نما بنائے رہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ معاصر عالمی سیاسی تعلقات میں ظلم واستبداد، تسلّط اور غلبہ، رسوخ ونفوذ کی کش مکش اور طاقت وقوت کے متنوع وسائل حاصل کرنے کی کوشش عام ہے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ امت مسلمہ بھی اپنی اندرونی سیاست میں بین الاقوامی سیاست کی ان ہی اخلاقی برائیوں کا شکار ہے۔

مسلمانوں میں سیاسی فکر

امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے خیرِ امت کی حیثیت سے برپا کیا ہے، تا کہ وہ معروف (بھلائی) کا حکم دے، منکر (برائی) سے روکے، اللہ پر ایمان لائے، لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کی میزان کو تھامے، دوسری امتوں کی رہ نمائی کرنے اور ان پر گواہ بننے کا کردار ادا کرے، پاکیزہ عقیدۂ توحید کے سایے میں انسانوں کی حریت و کرامت کی نگرانی اور ان کے تمام حقوق کی حفاظت کرے، تا کہ وہ اپنی انفرادی واجتماعی، روحانی و مادی، دنیاوی واخروی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کے اثرات و ثمرات سے

فائدہ اٹھائیں، اپنے اندر اعلیٰ اخلاقی پہلوؤں کو پروان چڑھائیں اور تہذیب وتمدن اور مادی و ادبی تخلیقات میں اپنی جدّ وجہد کے نتائج وفوائد کی حفاظت کریں۔ اس لیے ضروری تھا کہ یہ امت اصلاح کا فریضہ انجام دے اور اپنی عزت وعظمت کے سرچشموں کی طرف لوٹے۔ اس کے لیے دین اسلام کی حقیقت بیان کرنے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے والی بہت سی تحریریں دستیاب ہیں، جن میں مطالعہ وتحقیق اور تشریح و وضاحت کا حق ادا کیا گیا ہے اور دشمنوں کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ ان تحریروں میں سیاسی پہلو نمایاں ترین ہے، جس کا قدیم و جدید مسلم علماء و مفکرین نے بحث وتحقیق اور تالیف کے اعتبار سے حق ادا کیا ہے۔

سیاسی نظام سے متعلق علمائے اسلام کے مناہج بحث

سیاسی نظام یا اسلامی سیاسی فکر کے موضوع پر تصنیف وتالیف میں مؤلفین نے مختلف طریقے اور مناہج اختیار کیے ہیں:

۱- بعض علماء نے اسلام سے متعلق موسوعی کتاب میں سیاسی نظام کو ایک باب یا بحث کے طور پر ذکر کیا ہے، جب کہ کچھ علماء نے صرف سیاست یا ریاست کے موضوع پر پوری کتاب تصنیف کی اور چند نے اس کے کسی ایک پہلو پر لکھا ہے۔

۲- بعض مؤلفین نے سیاست کے صرف تاریخی پہلو کو موضوعِ بحث بنایا ہے، چنانچہ انھوں نے مختلف زمانوں: عہدِ نبوت، خلافتِ راشدہ، عہدِ اموی، عہدِ عباسی اور عہدِ عثمانی میں اسلامی ریاست کے سیاسی ارتقاء کا مطالعہ کیا ہے۔

۳- بعض مصنفین نے صرف ان اصول ومبادی سے بحث کی ہے جنھیں اسلام نے سیاسی پہلو سے پیش کیا ہے۔ مثلاً حکم راں سے امت کا تعلق کیسا ہو؟ ان کے حقوق اور فرائض کیا ہیں؟ وہ کیا قواعد وضوابط ہیں جن پر اسلام میں نظامِ حکومت مبنی ہے؟ وغیرہ۔

۴- بعض اہل قلم نے دونوں طریقوں اور منہجوں کو جوڑ کر زیادہ جامع کتابیں لکھی ہیں۔ انھوں نے اسلامی سیاسی نظریات اور مسلم ممالک کی حقیقی صورتِ حال کا موازنہ کیا ہے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن و سنت کے بیان کردہ ان اصول و

مبادی پر عمل ہوا ہے یا نہیں؟ اور ہوا ہے تو کس حد تک ہوا ہے؟

یہ کتابیں علمی و تحقیقی اعتبار سے مختلف معیار کی تھیں۔ بعض کتابیں دقیق علمی انداز میں تحریر کی گئی تھیں، ان کا اعتماد شرعی نصوص اوران کی عہدِ نبوت اور عہدِ خلافت راشدہ میں صحیح عملی مثالی تطبیق پر تھا اوران میں واقعات اور نصوص میں کسی قسم کے تکلّف و تصنّع اور تاویل سے کام نہیں لیا گیا تھا اور نہ تحلیل و استنباط یا تشریح و تعلیل میں دھاندلی کا دخل تھا۔ یہ کتابیں اسلامی علمی سرمایہ میں اضافہ کا باعث اور محققین کے لیے مستند مرجع و مآخذ ثابت ہوئیں، جب کہ کچھ کتابیں اس معیار سے کم تر تھیں۔

اسلامی سیاسی نظام کے اہم مآخذ ومصادر

آئندہ سطور میں مسلم علماء کی تاریخ وفات کی ترتیب سے ان اہم کتابوں کا ذکر کیا جارہا ہے جوانھوں نے سیاست اور نظامِ حکومت وریاست کے موضوع پر لکھی ہیں۔ ان میں وہ کتابیں بھی ہیں جن کا تعلق تاریخِ حکومت وسیاست سے ہے اور وہ کتابیں بھی جن میں وہ اخلاق وآداب بیان کیے گئے ہیں جن سے حکام وامراء کو آراستہ ہونا چاہیے، اسی طرح اس فہرست میں ان کتابوں کو بھی شامل کیا گیا ہے جو مذکورہ پہلوؤں پر مستقل طور سے لکھی گئی ہیں اور وہ کتابیں بھی ہیں جن میں اسلام کے دیگر پہلوؤں کے ساتھ سیاست وریاست کے موضوعات بھی زیر بحث آئے ہیں۔

۱- **کتاب الخراج**، قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب الانصاری (م۱۸۲ھ) (شاگرد امام ابوحنیفہ)، المطبعہ السّلفیہ، القاہرۃ ۱۳۵۲ھ، پھر یہ کتاب متعدد بار طبع ہوئی ہے۔ الرجبی نے اس کی شرح **فقہ الملوک ومفتاح الرتاج المرصد علی خزانۃ الخراج** کے نام سے کی ہے۔ یہ شرح بغداد میں ڈاکٹر احمد الکبیسی کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے۔

۲-**الخراج**، یحییٰ بن آدم القرشی (م۲۰۳ھ)، تحقیق: احمد محمد شاکر، مطبعہ سلفیہ، القاہرۃ، ۱۳۸۴ھ

۳-**سلوک الممالک فی تدبیر الممالک**، شہاب الدین بن ابی الربیع (م۲۲۷ھ)، تحقیق: ڈاکٹر حامد عبداللہ ربیع، دارالشعب، القاہرۃ۔ یہ کتاب ڈاکٹر ناجی التکریتی کی

تحقیق کے ساتھ دارالشؤون الثقافیۃ العامۃ، بغداد سے بھی شائع ہوئی ہے۔

۴-**الإعلام بمناقب الإسلام**، ابوالحسن محمد بن یوسف العامری (م۳۸۱ھ)، تحقیق ومطالعہ: ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب، دارالکاتب العربی، القاہرۃ، ۱۳۸۷ھ۔

۵-**السیاسۃ**، الحسین بن علی بن الحسین بن علی بن محمد بن یوسف بن بہرام، المعروف بالوزیر المغربی/ابن المغربی (م۴۱۸ھ)، تحقیق: ڈاکٹر فؤاد عبدالمنعم احمد، مؤسسۃ شباب الجامعۃ، الاسکندریہ، مصر۔

۶-**لطف التدبیر فی سیاسۃ الملک**، محمد بن عبداللہ، المعروف بالخطیب الإسکافی (م۴۲۹ھ)، تحقیق: احمد عبدالباقی، القاہرۃ، ۱۹۶۰ء

۷-**رسوم دارالخلافۃ**، ابوالحسین بن ہلال بن المحسّن الصابیٔ (م۴۴۸ھ)، تحقیق: میخائیل عوّاد، مطبعہ العانی، بغداد، ۱۳۸۳ھ

۸-**الأحکام السلطانیۃ**، ابوالحسن علی بن محمد حبیب البصری الماوردی (م۴۵۰ھ)، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، القاہرۃ، ۱۹۷۳ء۔ یہ کتاب بیروت اور سعودی عرب سے بھی کئی بار شائع ہوئی ہے۔

۹-**قوانین الوزارۃ وسیاسۃ الملک**، الماوردی (م۴۵۰ھ)، تحقیق: ڈاکٹر رضوان السید، دارالطلیعۃ، بیروت، ۱۹۷۹ء، اور تحقیق: فؤاد عبدالمنعم احمد اور محمد سلیمان داؤد، مؤسّسۃ شباب الجامعۃ، الاسکندریۃ، مصر ۱۹۷۸ء

۱۰-**نصیحۃ الملوک**، الماوردی (م۴۵۰ھ)، تحقیق: محمد جاسم الحدیثی، دارالشؤون الثقافیۃ العامۃ بغداد، ۱۹۸۶ء

۱۱-**تسہیل النظر وتعجیل الظفر فی أخلاق الملک وسیاسۃ الملک**، الماوردی (م۴۵۰ھ)، تحقیق: محی الدین السرحان، دارالنہضۃ العربیۃ، بیروت، ۱۹۸۱ء، اور تحقیق: رضوان السید، دارالطلیعۃ، بیروت۔

۱۲-**الأحکام السلطانیۃ**، محمد بن الحسین بن محمد بن خلف الفرّاء البغدادی الحنبلی (م۴۵۸ھ)، تحقیق: محمد حامد الفقی، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، القاہرۃ، ۱۹۶۶ء

۱۳-**غیاث الأمم فی إلتیاث الظلم**، عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد

الجوینی (م۴۷۸ھ)، تحقیق: مصطفیٰ حلمی، دارالدعوۃ، الاسکندریۃ، ۱۹۷۹ء، اور تحقیق: عبدالعظیم الدین، القاہرۃ/الدوحۃ،۱۴۰۰ھ

۱۴-**کتاب السیاسة أو الإشارة فی تدبیر الإمارة**،محمد بن الحسن الحضرمی المعروف بالمرادی (م......)، تحقیق: علی سامی النشار، دارالثقافۃ، الدارالبیضاء، ۱۹۸۱ء

۱۵-**التبر المسبوک فی نصیحة الملوک**، محمد بن محمد بن محمد بن احمد الطّوسی الشافعی، المعروف بحجۃ الاسلام الغزالی (م۵۰۵ھ)، تحقیق: محمد مصطفیٰ ابوالعلاء، مکتبۃ الجندی، القاہرۃ۔

۱۶-**فضائح الباطنیة وفضائل المستظهریة**، حجۃ الاسلام الغزالی (م۵۰۵ھ)، تحقیق: عبدالرحمٰن بدوی، القاہرۃ، اور تحقیق: نادی فرج درویش، المکتب الثقافی، بیروت۔

۱۷-**سراج الملوک**، محمد بن الولید بن محمد بن خلف سلیمان الفہری المالکی، المعروف بالطرطوشی (م۵۲۹ھ)، المطبعۃ الازہریۃ، القاہرۃ، ۱۳۱۹ھ

۱۸-**رسالة فی آداب الحسبة والمحتسب**، احمد بن عبداللہ بن عبدالرؤوف الاندلسی، (وفات اوئل چھٹی صدی ہجری)، ناشر: لیفی بروفنسال، المعہد الشرقی للآثار الشرقیۃ، القاہرۃ، ۱۹۵۵ء

۱۹-**الإشارة إلی من نال الوزارة**، ابوالقاسم علی بن منجب الصیرفی (م۵۴۲ھ)، تحقیق: أیمن فؤاد السید، الدارالمصریۃ اللبنانیۃ، ۱۴۱۹ھ

۲۰-**تهذیب الرئاسة وترتیب السیاسة**، محمد بن علی الحسن بن علی بن ابی علی القلعی (م۶۳۰ھ)، تحقیق: ابراہیم یوسف مصطفیٰ عجو، مکتبۃ المنار، الاردن، ۱۹۸۵ء

۲۱-**السیاسة الشرعیة فی إصلاح الراعی والرعیة**، احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ الحرانی الدمشقی الحنبلی، المعروف بشیخ الاسلام ابن تیمیۃ (م۷۲۷ھ)، تحقیق: محمد ابراہیم البنّا اور محمد احمد عاشور، دارالشعب القاہرۃ۔ یہ کتاب متعدد بار طبع ہوئی ہے اور مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ میں بھی شامل ہے۔

۲۲-**الحسبة، شیخ الاسلام ابن تیمیة**، مطبعۃ المؤید، القاہرۃ، ۱۳۱۸ھ۔ اس کے بھی بہت سے ایڈیشن منظر عام پر آئے ہیں۔

۲۳-**معالم القربة فی أحکام الحسبة**، محمد بن محمد بن احمد بن زید بن الأخوۃ القرشی

(م۷۲۹ھ)، تحقیق: محمد محمود شعبان اور صدیق المطیعی، الہیئۃ المصریۃ العامۃ، القاہرۃ، ۱۹۷۶ء

۲۴-**تحریر الأحکام فی تدبیر أهل الإسلام**، محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ بن جماعۃ (م۷۳۳ھ)، تحقیق: فؤاد عبدالمنعم أحمد، رئاسۃ المحاکم الشرعیۃ والشؤون الدینیۃ، الدوحۃ، قطر، طبع دوم، ۱۴۱۱ھ

۲۵-**نصاب الإحتساب**، عمر بن محمد بن عوض السنامی، (آٹھویں صدی ہجری)، تحقیق ومطالعہ: ڈاکٹر مریزن سعید عسیری، مکتبۃ الطالب الجامعی، مکہ المکرّمۃ، ۱۴۰۵ھ

۲۶-**عین الأدب والسیاسۃ وزین الحسب والریاسۃ**، ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن المعروف بابن ہذیل الأندلسی (آٹھویں صدی ہجری/ چودھویں صدی عیسوی)، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، القاہرۃ، ۱۹۶۹ء

۲۷-**الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ**، محمد بن ابی بکر ایوب بن سعد بن حریز الزرعی ثم الدمشقی الحنبلی المعروف بابن القیّم الجوزیۃ (م۷۵۱ھ)، تحقیق: محمد جمیل احمد، مطبعۃ المدنی، ۱۹۶۱ء۔ متعدد بار شائع ہوئی ہے۔

۲۸-**المنہج المسلوک فی سیاسۃ الملوک**، عبدالرحمٰن بن نصر بن عبداللہ الشیزری الطبری (م۷۷۴ھ)، مطبعۃ بولاق، القاہرۃ، ۱۸۴۱ء، اور دار المنار، الاردن۔

۲۹-**نہایۃ الرتبۃ فی طلب الحسبۃ**، عبدالرحمٰن بن نصر بن عبداللہ الشیزری الطبری، (م۷۷۴ھ)، تحقیق: السید الباز العرینی، لجنۃ التألیف والترجمۃ والنشر، القاہرۃ، ۱۹۴۶ء

۳۰-**الإشارۃ إلی أدب الوزارۃ**، محمد بن عبداللہ بن سعید بن احمد بن علی السلمانی الغرناطی الاندلسی (م۷۷۶ھ)، ناشر: عبدالقادر زمامۃ، مجلۃ مجمع اللغۃ العربیۃ، دمشق، جلد۴۷، ۱۹۷۲ء، اور ناشر: وداد القاضی، مجلۃ الفکر العربی، بیروت، شمارہ ۲۳، اکتوبر-نومبر ۱۹۸۱ء

۳۱-**الشہب اللامعۃ فی السیاسۃ النافعۃ**، عبداللہ بن یوسف بن رضوان البخاری المالقی ثم الفاسی (م۷۸۴ھ) تحقیق: علی سامی النشار، دار الثقافۃ، الدار البیضاء، ۱۹۸۴ء

۳۲-**واسطۃ السلوک فی سیاسۃ الملوک**، موسیٰ بن یوسف ابوحمو بن زیان (م۷۹۱ھ)، مطبعۃ الدولۃ التونسیۃ، تونس، ۱۲۷۹ھ

۳۳-نہایة الرتبة فی طلب الحسبة ،محمد بن أحمد بن بسام المحتسب (وفات آٹھویں صدی ہجری)،تحقیق:حسام الدین السامرائی،مطبعة المعارف،بغداد،۱۹۶۸ء

۳۴-مقدمة ابن خلدون ،عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد بن الحسن بن محمد الحضر می الأشبیلی المعروف با بن خلدون (م۸۰۸ھ)،تحقیق:علی عبدالواحد وافی ،مکتبة نہضة مصر، القاہرة۔ یہ کتاب بھی متعدد بار شائع ہوئی ہے۔

۳۵-مآثر الإنافة فی معالم الخلافة ،احمد بن علی بن احمد بن عبداللہ القلقشند ی (م۸۲۱ھ)، تحقیق:عبدالستار احمد،سلسلة التراث العربی،الکویت،۱۹۸۴ء

۳۶-المقدمة السلطانیة فی السیاسة الشرعیة،طوغان شیخ المحمد ی الحنفی (م۸۸۱ھ)، تحقیق:عبداللہ محمد عبداللہ،مکتبة الزہراء،القاہرة،۱۴۱۸ھ

۳۷-بدائع السلک فی طبائع الملک ،محمد بن علی بن محمد بن الا زرق الأصبحی الغرناطی الأندلسی المالکی (م۸۹۶ھ)،تحقیق: ڈاکٹر علی سامی النشار، بغداد، ۱۹۷۷ء، اور تحقیق: عثمان بن جمعہ ضمیریہ اور مطالعہ: ڈاکٹر محمد بن عبدالکریم ،الدارالعربیة للکتاب، لیبیا/تونس،۱۹۸۰ء

۳۸-السیاسة الشرعیة ،ابراہیم بن یحیٰی خلیفہ المعروف بہ دده افندی،تحقیق: ڈاکٹر فؤاد عبدالمنعم ،مؤسسة شباب الجامعة ،الاسکندریة ،۱۴۱۱ھ

۳۹-حجة اللہ البالغة ،شاہ ولی اللہ دہلوی (م۱۱۸۰ھ)،المطبعة المنیریہ،القاہرة،ناشر:السید سابق، دارالکتب الحدیثة، القاہرة، اور تحقیق : عثمان جمعة ضمیریة، مکتبة الکوثر، الریاض،۱۴۲۲ھ (یہ کتاب ہندوستان و پاکستان کے مختلف مطابع سے شائع ہوتی رہی ہے۔مترجم)

۴۰-السیاسة الشرعیة ،محمد بن حسین بن احمد بن محمد بن بیرم (م۱۲۱۴ھ)،المطبعة الاعلامیة، مصر،۱۳۰۶ھ، پھر اس کا تحقیق شدہ ایڈیشن مرکز جمعة الماجد للثقافة والتراث ، دبئ، الامارات العربیة المتحدہ سے بھی منظر عام پر آیا ہے۔

۴۱-الدولة الإسلامیة :نظامھا و عمالاتھا ،رفاعة بن بدوی بن علی بن محمد بن علی بن رافع الطہطاوی المصر ی الحسینی الشافعی (م۱۲۹۰ھ)مکتبة الآداب،القاہرة،۱۹۹۰ء۔اس کتاب کو ڈاکٹر محمد عمارة نے الأعمال الکاملة للطہطاوی میں بھی شائع کیا ہے۔

۴۲-الکرامة فی تبیان مقاصد الإمامة ،محمد بن علی بن حسن المعروف بالنواب

صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ) مطبع شاہ جہانی، بھوپال، بدون تاریخ

۴۳-**السیاسة الشرعیة و حقوق الراعی و سعادة الرعیة**، عبداللہ بن حسن المعروف بہ برکت زادہ (م ۱۳۱۸ھ)، مطبعة الترقی، القاہرة، ۱۳۱۸ھ

سیاسی نظام سے متعلق کتابوں پر چند ملاحظات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی سیاسی فکر پر مذکورہ بالا کتب میں سے بعض قدیم اور بعض معاصر کتب سے متعلق چند ملاحظات پیش کر دیے جائیں۔ اگر چہ کہ ان سب میں یا ان میں سے بیش تر کتابوں میں بہت سے بہترین پہلو بھی ہیں جن پر ان کے مؤلفین شکریے کے مستحق ہیں۔

(الف) عہد عباسی میں مدوّن قدیم کتب

۱- یہ کتابیں عموماً عہد عباسی کے احوال کی عکاسی کرتی ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مؤلفین کو اس وقت کے حکام کی خواہشات کی تکمیل کی زیادہ فکر تھی۔

۲- ان میں سے بعض کتابیں حکومت و ریاست کی ایک شکل یا نمونہ (ماڈل) کو سامنے رکھتی ہیں، اس سے سر مو تجاوز کرتی ہیں نہ نظم و نسق کے اسالیب جو کہ مصلحت عامہ اور حالات و زمانہ کی تبدیلی کے تابع ہوتے ہیں ان میں کسی قسم کے تغیر کو قبول کرتی ہیں۔

۳- بعض مسلم مفکرین حکومت و ریاست اور نظام حکومت کے بارے میں اغریقی (یونانی)، فارسی (ایرانی) اور ہندی فکر سے متأثر ہوئے ہیں، خاص طور سے مشرق میں فارابی، کندی اور ابن سینا اور مغرب میں ابن طفیل، ابن باجہ اور ابن رشد، اسی طرح اخوان الصفا وغیرہ۔ ان حضرات کے افکار یونانی فلسفہ کی صدائے بازگشت تھے۔ یہ اثر پذیری ان کتابوں میں بھی پائی جاتی ہے جو امورِ سیاست میں امراء و حکام کی رہ نمائی کے لیے مختلف زمانوں میں اسلام میں حکومت کے موضوع پر کام کرنے والے فلاسفہ نے لکھی تھیں۔[۸]

۴- ان کتابوں میں نامانوس اصطلاحات پائی جاتی ہیں۔ معاصر علماء کو ان کتابوں میں سیاسی مدلول کی غیر مانوس اصطلاحات کے استعمال یا ایک زمانہ سے

دوسرے زمانہ میں ان کی تبدیلی کی شکایت ہوتی ہے، دوسری مشکل قدیم اصلی مصادر و مآخذ کے اختلاف کی وجہ سے مباحث کی ترتیب کے طریقہ میں ان کو پیش آتی ہے جو معاصر ترتیب وتبویب کے برخلاف غیر مرتب طور پر متفرق جگہ پھیلی ہوئی ہوتی ہے، اس لیے کہ ان کو اوّلین اساسی مصادر کا علم ہوتا ہے نہ ان کے اسالیب ومناہج سے واقفیت۔9

(ب) معاصر تالیفات

۱۔بعض معاصر مصنفین قانونی نظاموں سے موازنے میں پھنس کر غیر متعلق ایسی طویل بحثیں کرنے لگتے ہیں کہ اگر ان کو ایک کرلیا جائے تو وہ بجائے خود ایک مستقل کتاب بن جائے، جب کہ کتاب کا نام اسلام یا اسلامی نظام ہوتا ہے۔ ان کے لیے زیادہ مناسب تھا کہ اگر ایسے موازنہ کی ضرورت پیش آجائے تو اس میں اختصار کو ملحوظ رکھیں۔

۲۔بعض معاصر مؤلفین موضوع سے معمولی تعلق کی بنیاد پر اسلامی علوم کے مختلف گوشوں کو وسعت دے کر موضوعِ بحث اوراس کے مقصد سے ہٹ جاتے ہیں، اور علم اصول فقہ بشمول اُدلّۂ احکام، انواع حکم اور طریقہائے استنباط یا اسلامی نظریہ کے مصادر میں سنت کا ذکر آنے پر علم اصولِ حدیث پر تفصیل سے گفتگو کرنے لگتے ہیں۔

۳۔بعض اہل قلم اسلامی ریاستوں کے اعمال وتصرّفات اور غلط کاموں کو اسلامی سیاسی نظریہ کا ماخذ بنا کر بات الٹ دیتے ہیں اور مسلمانوں کے عمل کو خود اسلام کے خلاف حجت بنا ڈالتے ہیں، حالاں کہ یہ طریقہ غلط ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسلام اس کے متبعین کے لیے حجت بنے، نہ کہ اس کے برعکس۔

۴۔اسی طرح وہ لکھنے والے بھی غلطی پر ہیں جو اسلامی نظام کو معاصر وضعی افکار ونظریات کے حامل مشرقی ومغربی مکاتب فکر کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور انھی کی اصطلاحات میں اسلامی نظام کی حقیقت اور حکومت وسیاست کے بارے میں اس کے احکام کی تعبیر کرتے ہیں، یا مغربی سیاسی نظاموں کے مظاہر میں سے جو ان کو اسلام کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں انھیں اسلام سے منسوب کردیتے ہیں۔

۵- وہ لوگ بھی غلطی پر ہیں جو مذکورہ غلطی کا رد کرنے میں دوسری انتہا پر پہنچ جاتے ہیں۔ ان کا جواب صحیح علمی منہج کے بجائے ردعمل سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ یہ گویا غلطی کا جواب دوسری غلطی سے دینا ہے، یا ایک انحراف کی تصحیح دوسرے بالمقابل انحراف سے کرنا ہے۔

۶- بعض معاصر کتابوں میں بحث وتوثیق کے علمی منہج سے تجاوز اور انحراف پایا جاتا ہے۔ ان کے مؤلفین نصوص کو نقل کرنے اور ان کے ترجمہ وتعبیر میں اختلاط والتباس کا شکار ہوئے ہیں، جس کی بنا پر وہ قدیم مؤلفین کی جانب ایسی باتیں منسوب کردیتے ہیں جو انھوں نے نہیں کہی ہیں۔

مؤلفین کا نام لیے بغیر میں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کی بہت سی مثالیں مذکورہ تحریروں میں مل جائیں گی۔ یہاں ان مثالوں کو پیش کرنے کا موقع نہیں ہے۔ میرا مقصد مذکورہ بالا کتب کا کوئی تنقیدی مطالعہ یا اس علمی سرمایہ کا تجزیہ کرنا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مؤلفین نے اپنی اپنی کوشش کی اور ہر ایک کو اس کی کوشش کا بدلہ ملا۔

حواشی ومراجع

۱۔ ملاحظہ کیجیے: أصول النظم السیاسیۃ، أحمد سویلم العمری، ص۱۸-۲۲، أصول العلوم السیاسیۃ، محمد علی العوینی، ص۱۳-۱۷، مدخل الی النظریۃ السیاسیۃ، نصر محمد مھنّا، ص۲۲-۳۲، مبادئ علم السیاسۃ، نظام برکات اور دیگر، ص۱۴-۱۵، المدخل الیٰ علم السیاسۃ، محمود خیری عیسی اور بطرس نمائی، ص۳-۴، فی علم السیاسۃ الاسلامی، عبدالرحمٰن خلیفہ، ص۶۳-۶۹، موسوعۃ السیاسۃ، سامی کیالی، ۳/۳۶۲۔

۲۔ ملاحظہ کیجیے: مذاہب فکریۃ معاصرۃ، محمد قطب، ص۹ و مابعد، العلمانیون والإسلام، محمد قطب، ص۸-۳۱، المستقبل لہذا الدین، سید قطب، ص۲۷-۵۴، العلمانیۃ نشأتہا وتطورہا و آثارہا، سفر عبدالرحمٰن الحوالی، ص۱۲۳ و مابعد۔

۳۔ التقریر الإستراتیجی العربی، مرکز الدراسات السیاسیۃ والاستراتیجیۃ بالاہرام میں ص۱۷ پر مذکور ہے: ''سرمایہ دارانہ مغربی تہذیب جب سیکولر ہوکر بڑی حد تک مذہبی دائرہ

سے آزادی حاصل کر چکی جو کہ اس کے لیے عالم کے ادراک کا ذریعہ تھا تو اس کے سامنے خاص طور پر مارکسی نظام کے خاتمہ کے بعد اسلام، جو کہ توحید پر قائم ہے، کے علاوہ کوئی چیلنج باقی نہیں رہا۔ (تھافت العلمانیۃ، صلاح الصاوی، ص ۱۸۵

۴۔ الأمیر، نیقولا میکافیلین، عربی ترجمہ: خیری حماد، مطالعہ: فاروق سعد، ص ۱۴۸-۱۵۱۔

۵۔ أصول العلاقات الدولیۃ فی فقہ الامام الشیبانی، عثمان جمعہ ضمیریہ، ۱/۱۹۹، المدخل الی علم السیاسۃ، محمود خیری عیسی اور بطرس غالی، ص ۹۷، اصول العلوم السیاسیۃ، محمد علی العوینی، ص ۸۷-۸۹۔

۶۔ اصول العلوم السیاسیۃ، محمد علی العوینی، ص ۸۷-۸۹۔

۷۔ اس فہرست کی تیاری میں بیش تر کتابوں سے میری راست واقفیت کے علاوہ فہارس کتب اور نصر محمد عارف کی کتاب: مصادر التراث السیاسی الاسلامی سے مدد لی گئی ہے۔ مطبع اور سنہ طبع درج کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کتب کا یہی اکلوتا طبعہ ہے، ان کے دیگر طبعات بھی ہو سکتے ہیں، جن کا احاطہ کرنے کی میں نے کوشش نہیں کی ہے۔

۸۔ اس لیے ان دونوں قسم کی کتابوں پر علمی طریقہ کے مطابق اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ وہ اصلی اسلامی سیاسی فکر کی نمائندگی نہیں کرتی ہیں۔ اس کی صحیح نمائندگی فقہائے امت کی کتابیں کرتی ہیں جو شرعی مصادر پر اعتماد کے صحت مند طریقہ پر قائم تھے۔ ان کی اہم کتابوں کو سابق پیراگراف میں پیش کیا جا چکا ہے۔

۹۔ اس پیراگراف میں میں نے اس موضوع سے متعلق مؤلفات کا نامکمل استقراء کیا ہے۔ اس سلسلے میں بعض معاصر کتب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے جیسے: منہاج الاسلام فی الحکم، محمد اسد، ص ۵۳-۵۶، الموسوعۃ السیاسیۃ، سامی الکیالی، ۳/۳۶۴-۳۶۵، نظام الاسلام: الحکم والدولۃ، محمد المبارک، ص ۶-۷، نظریۃ الاسلام وہدیہ فی السیاسۃ والقانون والدستور، ابوالأعلی المودودی، ص ۲۴۰-۲۴۵ (اردو میں اس کا نام اسلامی ریاست ہے۔ مترجم)، تراث الاسلام، شاخت اور بوز ورتھ، ۲/۱۱۲ و مابعد، مبادئ نظام الحکم فی الاسلام، فؤاد محمد النادی، ص ۱۱-۱۳۔

(سہ ماہی آفاق الثقافۃ والتراث، دبئی، جلد ۱۶، شمارہ ۶۲، جولائی-ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۶۲-۸۲)